مولانا سید ناصر زیدی مرحوم، پٹنہ

داستانی انداز فکر

نصف صدی سے بھی پہلے کی بات ہے کہ اُردو کی کتاب ''حکایات شیریں'' پڑھنے کا موقع ملا بچپن کا زمانہ قصے کہانیوں کے سننے کا دل وجان سے شوق، وہ کتاب کچھ ایسی پسند آئی کہ آج تک اس کا نام یاد ہے اور جہاں تک خیال آتا ہے کہ اسی کتاب میں ''شیخ چلی'' کی بھی کہانی پڑھی تھی۔ بہرحال کسی بھی کتاب میں پڑھی ہو، واقعہ یہ تھا کہ ''شیخ جی'' نے کچھ انڈے خریدے، ٹوکری سر پر رکھی اور چلے اپنے گاؤں کی طرف۔ آدمی دلچسپ مگر بے وقوف تھے۔ خیالی پلاؤ پر ہی زندگی گذارتے اور ہوائی قلعے بناتے رہتے تھے۔ راستہ ذرا طویل تھا۔ دل میں سوچتے جارہے تھے کہ یہ انڈے بٹھاؤں گا، ان سے بچے نکلیں گے۔ پھر وہ چوزے بڑے ہوں گے۔ مرغیاں اور مرغ بنیں گے ان سے جو انڈے حاصل ہوں گے انھیں بیچوں گا، اور مزید انڈوں سے مرغیوں میں اضافہ بھی کرتا جاؤں گا۔ انھیں فروخت کرکے گائے لوں گا اور جب اس کی بھی نسل بڑھے گی تو گھوڑے لاؤں گا، ان کی تجارت کے بعد اتنی دولت تو ضرور ہوجائے گی کہ ایک ہاتھی خرید سکوں گا۔ پھر اس ہاتھی پر ہودج سجاؤں گا۔ اس پر شان سے بیٹھ کر مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا سسرال جاؤں گا۔ اسی خیال میں مگن شیخ جی جھومنے بھی لگے کہ انڈوں کی ٹوکری سر سے نیچے آرہی اور سارا خواب چکنا چور ہوکر رہ گیا۔ بیچارے! کیا کرتے ان کے ہر خیالی پلاؤ کا انجام یہی ہوتا ہے اور اسکے بعد یہی ورد زبان رہتا ہے۔

پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

مسلمانوں کا بھی ساری دنیا میں یہی حال ہے، خوب خوب عقلی تکے لگاتے خیالی گھوڑے دوڑاتے ہوائی قلعے بناتے اور اسی مستی میں ملی سطح پر زندگیاں گنواتے ہیں۔ کوئی ایک

رخ ہوتو بیان کروں، یہاں تو ہر شعبہ زندگی کا یہی حال ہے۔

۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ہندوستان کی ۳۵ کروڑ کی آبادی میں ساڑھے چار کروڑ مسلمان تھے اور چالیس سال کے بعد جب پورے ملک کی آبادی پچھتر کروڑ ہوئی تو مسلمان اس میں ساڑھے نو کروڑ ہوئے ان اعداد وشمار کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔ لیکن ہم ابتداء سے ہی دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ ایک طرف متعصب ہندو تنظیمیں مسلسل واویلا مچاتی چلی آرہی ہیں کہ مسلمان سالانہ دس سے بارہ فیصد بڑھ رہے ہیں اور دوسری طرف نا آشنائے مذہب وسیاست مسلمان، اخباروں اور رسالوں میں چھپتے نظر آرہے ہیں کہ ہماری آبادی دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بڑھ رہی ہے۔ یہاں تک کہ اب مسلمانوں کا تخمینہ یہ ہے کہ ہندوستان میں پچیس تیس کروڑ تک مسلمان پہنچ چکے۔ لیکن اس کے پس پردہ کون سی طاقت کام کررہی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کی طرف مسلمانوں کے بڑے بڑے سیاست داں اور دانشور بھی توجہ نہیں دے رہے ہیں۔

دنیا میں مسلم آبادی کے سلسلہ میں کیا ہو رہا ہے، اسے کوئی ہندوستانی مسلمان ٹھنڈے دل سے سوچنے کے لئے تیار نہیں البتہ ہندوستانی اخباروں میں جو خبریں مسلمانوں کے اضافہ آبادی سے متعلق شائع ہوتی ہیں۔ ذرا انکی طرف نظر کیجئے۔ ایک مشہور اخبار اپنی ۲۲/ جون ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں رقم طراز ہے۔

''ہر ساٹھ منٹ میں اٹھارہ ہزار افراد کا قبول اسلام''

اس سرخی کے بعد خبر کا خلاصہ یوں ہے۔

''کرۂ ارض پر اس وقت ایک گھنٹہ میں اٹھارہ ہزار افراد مسلمان ہوتے ہیں اور ایک دن میں چار لاکھ ۳۲ ہزار اور ایک برس میں سولہ کروڑ ۳۲ لاکھ انکی تعداد پہنچ جاتی ہے۔ اس حساب سے دو ہزار عیسوی تک کرۂ ارض پر اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہونا چاہئے اور مسلمانوں کی تعداد دو ارب ۲۵ کروڑ سے بھی بڑھ جائے گی۔''

اخبار مذکورہ نے یہ خبر خود ساختہ نہیں پیش کی ہے بلکہ مغربی جرمنی کے اک مذہبی ادارہ کی یہ رپورٹ ہے۔ کتنی دلچسپ اور مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کی یہ خوش کن خبر ہے۔ اس حساب سے جون ۱۹۹۱ء میں صرف اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ایک ارب تریسٹھ کروڑ ہوجائے گی۔ جبکہ اسی ادارے کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۱ء میں ساری دنیا میں مسلمانوں کی کل تعداد ایک ارب دو کروڑ تھی۔ اور شرح پیدائش کے اعتبار سے سالانہ پانچ فیصد کا اضافہ مزید علیحدہ ہے۔ اس طرح اقلیدسی تناسب آبادی اور اضافہ آبادی کے بموجب بیسویں صدی کے اختتام پر دنیا میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً پانچ ارب ہوجائے گی۔ جبکہ مفکرین عالم اور بڑے بڑے حساب دانوں نے بتلایا ہے کہ آبادی جس تناسب سے بڑھ رہی ہے اس کے حساب سے اس صدی کے اختتام تک پوری دنیا کی آبادی چھ ارب کے قریب پہنچ جائے گی۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب دنیا اکیسویں صدی میں داخل ہوگی تو یقیناً دوسروں سے پانچ گنا زیادہ ہوجائیں گے۔

ع بریں عقل و دانش بہ باید گریست۔

افسوس! مسلمان یہ نہیں سمجھتے کہ اس مسلم شماری اور ان کے اضافہ آبادی کے پیچھے کیا راز ہے اور یہ سب کون کر رہا ہے۔ ہمیں اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہئے۔ دنیا میں کسی طرح ہمارا استحصال ہو رہا ہے اور ہم ہر جگہ نہیں قتل و غارت اور تباہ و برباد کئے جا رہے ہیں سمجھنا چاہئے۔ یہ نہایت سنگین مسئلہ ہے اس کے پیچھے دنیا کی بڑی طاقتیں زبردست کام کر رہی ہیں اور ان طاقتوں کی نکیل یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہودی آج ہمارے کوئی نئے دشمن نہیں۔ تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو شاید کچھ حقیقت سمجھ میں آئے۔ ان یہودیوں کو اس وقت سے اسلام سے نفرت ہے جب انہیں یہ علم ہوا کہ منصب الٰہی بنی اسحاق کو نہ مل کر بنی اسمٰعیل کو ملے گا۔ بس اسی وقت سے وہ اس فکر میں لگ گئے کہ جو بھی بنی اسمٰعیل میں الٰہی منصب دار ہو اسے قتل کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ آخری نبیؐ جس کی بشارت توریت اور زبور میں ہے اسے ختم کیا جائے۔ چنانچہ

اسی دھوکہ میں حضرت عیسیٰ کو بزعم خود صلیب پر لٹکایا۔ لیکن انجیل کے مطالعہ سے انھیں معلوم ہوا کہ فدیہ دینا ذبح عظیم کا مصداق، آخری ہادی و رہبر اب بھی عالم وجود میں ظاہر نہیں ہوا۔ اس لئے پھر اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگئے۔ آخر وہ وقت آگیا کہ تاجدار لولوک لما خلقت الافلاک نے ارض مقدس پر ظہور فرمایا۔ جب تک آپؐ نے اعلان رسالت نہیں فرمایا، اس وقت تک کوئی کیا سمجھ سکتا تھا کہ یہ کون سی ہستی ہے؟! مگر قوم یہود مسلمان جیسی احمق اور نادان نہ تھی۔ ہر عہد اور ہر زمانہ میں اپنے ہدف کی تلاش و جستجو میں متفکر و سرگرداں رہی۔ جس کا ثبوت تاریخوں سے مل جاتا ہے۔

یاد کیجئے اس واقعہ کو جب حضرت عبد المطلب نے اپنی وفات کے وقت اپنے آٹھ برس کے یتیم پوتے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے حقیقی چچا حضرت ابو طالب کے حوالے کیا۔ ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو اپنی تمام اولاد پر ہر وقت اور ہر حال میں ترجیح دی۔

''جب آنحضرت نو برس کے تھے تو ابو طالب نے ملک شام کے سفر کا ارادہ کیا اور آنحضرت کو اپنے بچوں کے ساتھ مکہ میں چھوڑا۔ ابو طالب اونٹ پر سوار ہونے کو تھے کہ آپؐ آکر ان سے چمٹ گئے اور چلائے کہ اے چچا! ہم کو اپنے ہمراہ لیتے چلئے۔ ابو طالب کا دل بھر آیا اور اپنے یتیم بھتیجے کو اپنے ہمراہ سفر تجارت میں لیتے گئے۔ قافلہ قریہ کفر، جہاں سے شہر بصریٰ جو شام کی سرحد پر ہے، چھ میل کے فاصلہ ہے، پہنچ کر نسطوری راہبوں کے معبد کے پاس قیام کیا۔ راہبوں نے آنحضرتؐ اور ابو طالب کی بڑی خاطر داری کی۔ ان میں سے ایک نے جس کا نام جرجیس کنیت ابو عداس اور لقب بحیرا راہب تھا، آپؐ کے چہرہ مبارک سے آثار عظمت وجلالت اور اعلیٰ درجہ کے کمالات عقلی اور محامد اخلاق نمایاں دیکھ کر اور ان صفات سے موصوف پا کر جو اس نے توریت اور انجیل اور دیگر کتب سماویہ میں پڑھی تھیں، پہچان لیا کہ یہی پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ خصوصاً جب اس نے کلہ ابر سر پر سایہ کئے ہوئے اور مہر نبوت شانوں کے درمیان دیکھیں تو اس کا گمان یقین سے تبدیل ہوگیا اور مہر نبوت پر بوسہ دیکر حضرت کی

نبوت کی تصدیق کی اور چلتے ہوئے ابو طالب سے کہا کہ اس لڑکے کا دین تمام عرب اور عجم میں پھیلے گا اور دنیا کے بہت سے حصے کا مالک ہوگا۔ اپنے ملک کا آزادہ کنندہ اور اپنے وطن کا نجات دہندہ ہوگا۔ اس کی بڑی حفاظت رکھنا۔ خوف خطر اور شر اعداء سے بچانا۔ کہیں یہودیوں کے ہاتھ نہ پڑ جانا۔ اس لئے شام کو جانا مناسب نہیں ہے۔ پس اس راہب کے مشورہ سے ابو طالب نے تمام اسباب بصریٰ میں نفع کے ساتھ فروخت کیا اور مکہ واپس آئے۔" (ایرونگ صفحہ ۲۴ تاریخ اسلام جلد اول صفحہ ۱۲۔)

اس واقعہ سے کئی باتیں پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں۔ ایک تو یہ توریت اور انجیل کے علاوہ دیگر کتب آسمانی میں بھی آنحضرت سے متعلق مختلف قسم کی پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ انھیں پیشین گوئیوں کی وجہ سے قوم یہود ہر عہد میں تاک لگائے بیٹھی تھی کہ نسل اسمٰعیلؑ سے آنے والا کب روئے زمین پر آتا ہے اور کس طرح اسے صفحہ ہستی سے مٹایا جائے۔ اسی دھوکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے اپنے خیال میں سولی پر چڑھادیا۔ عیسائی زندگی بھر حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے پر آنسو بہاتے رہے اور آج بھی Good Friday کا یادگار دن مناتے ہیں۔ لیکن یہودی ایسے بے وقوف نہ تھے۔ ان میں بہت جلد اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ نشانہ ہدف پر نہیں لگایا۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً چھ صدیاں گذر گئیں مگر تلاش جاری رہی۔ وہ آنحضرتؐ کی عظمت واہمیت سے بھی بخوبی واقف تھے۔ انھیں بعد میں احساس ہوا کہ جن کی تلاش تھی وہ حضرت عیسیٰ نہیں تھے۔ اس لئے کہ جب حضرت عیسیٰ پر آئی ہوئی وحی الٰہی کے کلمات بعد میں ان کے حوارین نے یکجا کئے تو ان سے انھیں علم ہوا کہ جس ہستی کی انھیں تلاش ہے اس کی نشاندہی خود حضرت عیسیٰ نے فرمادی ہے جسے قرآن مجید اس طرح دہراتا ہے۔

قال عیسیٰ بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقالما بین یدی من التورۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ (الصف آیت

(۹۴۶

ترجمہ: عیسیٰ بن مریم نے فرمایا، اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہارے پاس اللہ کا رسول ہوں، توریت میں سے جو ہمارے سامنے موجود ہے، اس کی تصدیق کرنیوالا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں اس رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے۔

یہودیوں کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا تو پھر مستقبل کی تیاری میں لگ گئے۔ ہر طرف اپنا جال پھیلا دیا۔ ان تمام علاقوں پر کڑی نگرانی رکھی۔ جہاں علم ودانش کا چرچا تھا۔ یونان ومصر روم جیسے حساس علاقوں میں اپنے اڈے قائم کر لئے شام کے علاقہ میں چپہ چپہ پر پھیل گئے۔ فلسطین کو تو اپنے قبضہ میں ہی کر لیا اس لئے کہ آنحضرتؐ کے آنے کی پیشین گوئی اسی سرزمین پر کی گئی تھی اور وہیں کے لوگ مخاطب تھے۔ عرب کی سرزمین حجاز کا تو انھیں تصور بھی نہیں تھا کہ وہاں بھی کوئی ہادی ورہبر آسکتا ہے۔ وہ دنیاوی اصول کے تحت سوچ رہے تھے کہ نبی یا رسول پڑھے لکھے اور مہذب لوگوں میں ہی پیدا ہوگا۔ بھلا حجاز میں کوئی کیونکر پیدا ہوسکتا ہے خصوصاً سرزمین مکہ پر بسے قبیلے تو ایسے گئے گذرے تھے کہ ان کی جہالت کی بنا پر کوئی اس طرف نظریں اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ اس لئے اطمینان تھا کہ وہاں کوئی رسول کیوں آنے لگا۔ اور جب آنحضرتؐ عالم وجود میں آئے تو اس وقت محمدؐ کے نام سے موسوم ہوئے۔ اس لئے بھی کسی کو ان پر شک نہیں ہوا کہ یہی احمد ہیں۔ اور غضب یہ کہ اپنے اخلاق وکردار کی وجہ سے کفار قریش انھیں قبل اعلان رسالت ہر طرح سے محترم گردانتے اور صادق وامین سمجھتے تھے۔ اس طرح آنحضرتؐ چالیس سال کی عمر تک ان کے درمیان رہ کر بھی یہودیوں کی توجہ کا مرکز نہ بن سکے۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے نہ تو کسی سے تعلیم حاصل کی اور نہ وہاں کے شاعرانہ ماحول میں کبھی ایک شعر ہی کہا۔ بس ان کی نظر میں امی کے امی ہی رہ گئے۔

یثرب میں یہودی قدیم الایام سے بسے ہوئے تھے۔ مکہ کے مقابلہ میں یثرب یعنی مدینہ کا ماحول وہاں کی آب وہوا اور سرزمین کے اثرات سے شریفانہ تھا۔ قبائلی لڑائیاں بہت

کم ہوتی تھیں۔ کفار قریش جیسے شقی القلب لوگ نہ تھے۔ حق شناسی کی بھی صلاحیت تھی اور پڑھے لکھے بھی تھے۔ عیسائی بھی کافی تعداد میں رہتے تھے۔ لیکن حواریین کے جمع کردہ الگ الگ صحیفوں کی عبارتیں قرآن کی طرح ہو بہو نہ تھیں۔ بلکہ انجیل کا مفہوم جسے جن الفاظ میں یاد رہا اسے محفوظ کرلیا۔ اس لئے دین عیسوی میں یکسانیت نہ تھی۔ پھر یہودیوں نے انجیل کے ان مختلف نسخوں کو جس طرح غلط سانچوں میں ڈھالا اسکی وجہ سے بھی حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا کوئی ایک صحیح نقشہ نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً سبھی بت پرست ہوگئے تھے جو دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ ایک اوس، دوسرے خزرج۔ لیکن یہودیوں میں دین موسیٰ کی عیسائیوں کے مقابلہ میں کچھ صحیح شناخت تھی۔ ان کی تعداد اچھی خاصی، خدا کی پرستش کیا کرتے تھے۔ جب کبھی عربوں اور یہودیوں میں جنگ ہوتی تو عربوں سے کہا کرتے تھے۔

''عنقریب خدا کا آخری نبی ظاہر ہوگا، ہم سب اسی کے دین پر ہوجائیں گے اور ہماری طاقت بہت زیادہ ہوجائے گی۔

آنحضرتؐ کے مبعوث بہ رسالت ہونے کی بات اس وقت اہل یثرب پر ظاہر ہوئی جب ۱۱ھ بعثت میں عمرۂ رجب کے موقع پر آنحضرت منیٰ کے پچھواڑے کھڑے تھے تو دیکھا کہ کچھ لوگ آپ کی طرف آرہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کون ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا ''ہمارا تعلق قبیلۂ خزرج سے ہے جو یثرب میں ہے۔'' آنحضرتؐ نے سوال کیا کہ کیا تم لوگ یہودیوں کے دوستوں میں ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ ''جی ہاں''

پیغمبرؐ اسلام نے ان لوگوں سے فرمایا'' کیا یہ ممکن ہے کہ ہم لوگ کچھ دیر آپس میں گفتگو کریں؟''

یہ سنتے ہیں وہ لوگ آنحضرتؐ کے پاس بیٹھ گئے۔ مرسل اعظمؐ نے گفتگو کے دوران ان لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔

ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا:

''خدا کی قسم یہ وہی پیغمبر ہے جس کے بارے میں یہودیوں نے اکثر اطلاع دی ہے۔ لہٰذا مناسب یہی ہوگا کہ ہم لوگ یہودیوں سے قبل ہی خدا پر ایمان لاتے ہوئے اس شخص کا دین قبول کرلیں۔''

چنانچہ ان لوگوں نے دین اسلام قبول کیا اور ایمان لائے۔ یہ چھ آدمی تھے۔ اور جب اپنے وطن یثرب پہنچے تو اپنے عزیزوں سے سارا واقعہ بیان کیا۔ یہاں تک کہ ہر گھر میں یہ خبر پھیل گئی اور دوسرے سال مزید سات آدمی مدینہ سے آکر مسلمان ہوئے۔ اس طرح ہجرت سے پہلے ہی مدینہ میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد ہوگئی۔ یہودیوں کا زور ٹوٹا۔ لیکن آنحضرتؐ جب ہجرت فرما کر مدینہ پہنچ گئے تو یہودی منظم طریقہ پر اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے۔

'' اہل یثرب کا قاعدہ تھا کہ جب ان میں سے کسی عورت کے بچے زندہ نہ رہتے تو وہ منت مانتی کہ اگر میرا کوئی بچہ زندہ رہے گا تو اس کو یہودی بناؤں گی۔ مدینہ میں اس طریقہ سے انصار کے بہت سے بچے یہودی بنادئے گئے۔ جب ۴ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کو ان کی حرکات کی وجہ سے جلا وطن کیا تو ان میں انصار کے وہ بچے بھی شامل تھے جو یہودی مذہب کے پیرو تھے۔ انصار نے کہا کہ ہم اپنے بچوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نے ان کو اس وقت یہودی بنایا تھا جب ہم ان کے دین کو اپنے دین سے بہتر سمجھتے تھے، مگر اب جبکہ اسلام کا آفتاب طلوع ہوچکا ہے اور تمام ادیان سے افضل دین ہمارے پاس ہے تو ہم اپنے بچوں کو یہودی نہ رہنے دیں گے اور انھیں اسلام پر مجبور کریں گے۔'' (الجہاد فی الاسلام)

مسلمان اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے اور یہودی ان بچوں کو اپنے ہمراہ لے جانے میں کامیاب ہوگئے۔ اور مسلمانوں کے خلاف اپنی تحریک کو تیز تر بناتے چلے گئے۔ رفتہ رفتہ تمام یہودی خیبر میں یکجا ہوتے چلے گئے۔ اور مسلمانوں سے جنگ کی تیاریاں کرتے

رہے ۔ انھوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کو اپنا حلیف کر لیا تھا ۔ یہاں تک کہ ۷ھ میں مسلمانوں سے زبردست جنگ ہوئی ۔ پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ۹۳ یہودی مارے گئے ۔ اس کے بعد یہودیوں کا زور کچھ عرصے کے لئے کم ہوا۔ مگر وہ پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو کر اسلام دشمنی کے لئے آمادہ ہوگئے ۔

آج اس واقعہ کو چودہ سو سال گذر چکے۔ اس طویل مدت میں یہودیوں نے کس کس طرح سے دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں اور کتنا نقصان پہنچایا ، اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آج کا مسلمان بھی نہایت نا عاقبت اندیش ہے۔ جبکہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔ اور کس طرح تمام کفار و مشرکین متحد ہو کر مسلمانوں کا استحصال کر رہے ہیں۔ سب سے افسوسناک اور سنگین مسئلہ یہ ہے کہ کھلے دشمن سے تو انسان ہوشیاری برت سکتا ہے۔ مگر مار آستین سے بچنا مشکل ہے۔ اور وہ منافقین ہیں جنہوں نے اسلامی لبادہ اوڑھ لیا ہے اور خود کو مسلمان کہتے ہوئے کہیں وطنیت کا جال پھیلایا ہے، کہیں قومیت کا چکر چلایا ہے ، کہیں اقلیت اکثریت کے ذریعہ تقسیم کیا ہے۔ کہیں مسلمان رشدی نام سے موسوم ہو کر مسلمانوں کو فریب دے رہے ہیں اور مسلمانوں میں مسلکی اختلاف پیدا کراتے رہتے ہیں بلکہ کئی نئے متبادل مسالک سامنے لاکر کھڑے کر دیتے ہیں۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کی حالت زار پر رونا آتا ہے۔ نہ جانے ابھی اور کتنی مدت تک عالم اسلام یونہی بربادیوں اور تباہیوں سے دو چار ہوتا رہے گا، اور نہ جانے کب تک مسلمانوں کا انداز فکر داستانی نبا رہے گا۔

ع بر این عقل و دانش بباید گریست

❁❁❁